تکثیری معاشرے میں مولانا آزاد اور سرسید کی معنویت

خواجہ عبدالمنتقم

I.P-2ایکسٹینشن، دہلی-110092، موبائل:9818369624

ہندوستان کے مہذب اور روشن خیال شہریوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے اور ہے کہ ہندو اور مسلمان اس ملک میں شیر وشکر ہو کر رہیں، بانگ اذان اور صدائے ناقوس سے اس کی رونق میں اضافہ ہوتا رہے اور فدائے حرم وشیدائے صنم خوشی وغم کے ہر موقع پر پہلو بہ پہلو نظر آئیں۔ اس سے پہلے کہ تکثیری معاشرے میں مولانا ابو الکلام آزاد اور سرسید کی معنویت کی بات کی جائے مختصراً اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ ہندوستانی پس منظر میں تکثیری معاشرے یعنی Pluralistic Society سے کیا مراد ہے۔ اس اصطلاح سے ایسا چہار طرفہ ماحول مراد ہے جس میں تمام مذاہب کے ماننے والے اور یہاں تک کہ منکر کل، فرقۂ عدمیہ سے تعلق رکھنے والے افراد اور لاوجودیت کے قائل بھی یعنی سبھی بلاتفریق مل جل کر اور ہمہ وقت کے ساتھی بن کر رہیں بالکل اسی طرح جس طرح تقسیم ہند سے پہلے وہ ہم نوالہ، ہم پیالہ، ہم نفس، ہمرکاب وہم سفر، ہمدم و ہمدرد، ہمراز وغمگسار، ہم نشین وہم جلیس تھے۔ ہمارے واضعین آئین نے جو آئین ہمیں دیا ہے اس کے مطابق بھی ہمارا ملک ایک مقتدر سماج وادی، سیکولر اور عوامی جمہوریہ ہے اور ملک کے تمام شہریوں کو بغیر کسی امتیاز وتفریق کے سماجی، معاشی اور سیاسی انصاف حاصل ہے اور تمام لوگوں کو دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرنے اور عقیدے اور دین کے مطابق عبادت کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے ہر شعبہ میں سب کو برابر کے مواقع حاصل ہیں۔ ہندوستانی پس منظر میں سیکولرزم کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ حکومت کا کوئی مذہب نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ مختلف مذاہب کے ماننے والے یا مختلف عقائد میں یقین رکھنے والے افراد قانون کی نظر میں برابر ہیں اور ان سب کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا جانا چاہیے اور کسی بھی طرح کا امتیاز نہیں برتا جانا چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ کچھ ہاتھوں میں تو رنگ حنا ہو تو کچھ میں صرف لکیریں یعنی یکساں حالات اور یکساں صورت حال میں مذہب، نسل، ذات، یا کسی بھی دیگر بنیاد پر امتیازی رویہ وعدم مساوات۔ آئین کی دفعہ ۱۴ پر ایک معمولی فہم وادراک کا حامل شخص بھی اگر نظر ڈالے تو اس دفعہ کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ وہ بآسانی اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں سب کو برابر سمجھا گیا ہے۔ دفعہ ۱۴ کا متن درج ذیل ہے:

''قانون کی نظر میں مساوات: مملکت کسی کو بھارت کے علاقے میں قانون کی نظر میں مساوات یا یکساں قانونی تحفظ سے محروم نہیں کرے گی۔''

اس دفعہ سے یہ واضح اشارہ ملتا ہے کہ سبھی لوگ بغیر کسی امتیاز کے ملک کا جو بھی قانون ہے اس کے تابع ہوں گے اور کسی بھی شخص کو خواہ اس کا کوئی بھی درجہ یا حیثیت ہو قانون کی نظر میں کوئی بالادستی حاصل نہیں ہوگی۔ اگر محمود وایاز کے روبرو ایک ہی صورت حال ہے تو انہیں قانون کی نظر میں برابر سمجھا جائے گا۔ البتہ مناسب درجہ بندی کے اصول کے مطابق کچھ مخصوص لوگوں، طبقوں اور زمروں کے لیے مخصوص قانون بنایا جا سکتا ہے اور انہیں مخصوص رعایتیں یا مراعات دی جا سکتی ہیں۔

خود سپریم کورٹ نے ٹی ایم اے پائی فاؤنڈیشن والے معاملے میں (جے ٹی ۲۰۰۲ء (۹) ایس سی ۱) مساوات اور سیکولرزم کے بارے میں مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے:

''ہمارے ملک کو اکثر بھارت ماتا۔ مدر انڈیا یعنی مادر ہند کی شکل میں ایک فرد کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بھارت کے عوام کو اس کی اولاد سمجھا جاتا ہے، جس کے لیے اس کے دل میں ہمیشہ جذبۂ فلاح نہاں رہتا ہے۔ کسی مشفق ماں کی طرح، اس کو بھی خاندان کی بہبود مقدم ہوتی ہے۔

کسی بھی صحت مند خاندان کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا ہر فرد مضبوط اور تندرست ہو، لیکن سبھی افراد کی ہیئت، خواہ جسمانی ہو اور/ یا ذہنی، یکساں نہیں ہوتی۔ مناسب اور صحت مند نشو ونما کے لیے یہ بات والدین اور خصوصاً ماں کے لیے قدرتی ہے کہ وہ کمزور بچے کا زیادہ سے زیادہ دھیان رکھے اور اسے بہتر غذا

دے تاکہ وہ مزید صحت مند ہو سکے۔ اسے زیادہ کھانا دینا اور اس کا زیادہ دھیان رکھنا اور تعلیم کے معاملے میں اس کی مدد کے لیے پرائیویٹ ٹیوشن کو یقینی بنانا ایک معنی میں کمزور بچے کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنے کے مرادف ہے۔ جس طرح کسی بوڑھے اور معذور شخص کو کوئی جسمانی یا مادی امداد دینا نامناسب یا غیر منصفانہ نہیں سمجھا جا سکتا اسی طرح معقول وجوہات کی بنا پر کسی خاص زمرے کے لوگوں کو کچھ حقوق عطا کرنا غیر منصفانہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ بھارت میں سبھی لوگ ایک جیسے نہیں ہیں اور اسی لیے اگر سماج کے کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جاتا ہے تو اس پر تیوری نہیں چڑھائی جا سکتی۔ (آئین کی) دفعہ ۳۰ ایک ایسا مخصوص حق ہے جو مذہبی اور لسانی اقلیتوں کو ان کی تعداد کم ہونے کے باعث اور ان میں تحفظ اور اعتماد کا احساس پیدا کرنے کے لیے عطا کیا گیا ہے جبکہ بنفسہٖ انہیں سماج کا کمزور اور غیر مراعتی طبقہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

ہندوستان کی ۱۰۰ کروڑ کی آبادی (جواب بڑھ کر ۱۲۵ کروڑ سے بھی زیادہ ہو چکی ہے) میں ٦ خاص نسلی گروپ ہیں اور ۵۲ بڑے قبیلے ہیں، ٦ بڑے مذاہب ہیں اور ٦۴۰۰ ذاتیں اور ذیلی ذاتیں ہیں، ۱۸ (اب یہ تعداد بڑھ کر ۲۲ ہو چکی ہے) بڑی زبانیں ہیں اور ۱٦۰۰ چھوٹی زبانیں اور بولیاں ہیں۔ بھارت میں سیکولرزم کی روح کو رنگ برنگے MOSAIC میں تراشے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں سے بنائے گئے نقشے کے ذریعہ بھی دکھایا جا سکتا ہے۔ جس میں بھارت کے مذکورہ ۱۰۰ کروڑ لوگ سنگ مرمر کے ایسے ٹکڑے ہوں گے جن سے وہ نقشہ تیار کیا جائے گا۔ ان میں ہر شخص، خواہ اس کی کوئی بھی زبان، ذات یا مذہب ہو، کی شناخت کا تحفظ کیا جائے گا تاکہ جب ان ٹکڑوں کو جوڑا جائے تو اس سے ایک ایسی تصویر ابھر کر سامنے آئے جس میں بھارت کی مختلف جغرافیائی خصوصیات اجاگر ہوں انسانوں کی شکل میں سنگ مرمر کے یہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو شکل وصورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں، لیکن جب انہیں صحیح طریقے سے یکجا کیا جائے گا تو ان سے بھارت کا ایک خوبصورت نقشہ ابھر کر سامنے آئے گا۔ بھارت کے ہر شہری کی طرح ہر ٹکڑا بھارت کی مکمل تصویر بنانے کے عمل میں اہمیت رکھتا ہے۔ نقشے میں الگ الگ رنگ اور ایک ہی رنگ کے مختلف شیڈ ان سنگ مرمر کے گونا گوں رنگ کے شیڈ اور رنگوں کا ہی نتیجہ ہیں، لیکن اگر سنگ مرمر کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کو بھی اس میں سے نکال دیا جائے تو بھارت کے نقشے کی شکل ہی بگڑ جائے گی اور اس کی خوبصورتی بھی باقی نہیں رہے گی۔

قوم کی تشکیل میں ملک کے ہر باشندے کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ ہر ٹکڑا اپنے رنگ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ کوئی بھی ٹکڑا خود ایک معمولی پتھر ہو سکتا ہے، لیکن جب اسے صحیح ڈھنگ سے لگایا جائے گا تو اس سے بھارت کے الگ الگ رنگ اور روپ کی مکمل تصویر ابھر کر سامنے آئے گی۔

بھارت کے ہر شہری کی حیثیت بھی کچھ اسی طرح ہے۔ آئین بھارت کے عوام کی الگ الگ رنگ اور روپ کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ ان کی جداگانہ حیثیت کے باوجود ان میں سے ہر ایک کو مساوی اہمیت دیتا ہے کیونکہ اسی طرح ہی ایک متحدہ سیکولر قوم وجود میں آتی ہے۔ کسی مکمل قوم کی تشکیل میں کام آنے والے مختلف ٹکڑوں کے تحفظ اور انہیں قائم رکھنے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے آئین میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ مساوات کے بنیادی اصول کو قائم رکھتے ہوئے ایسی بہت سی توضیعات شامل کی گئی ہیں جو ان گونا گوں ٹکڑوں کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں، مختلف قسم کے لوگوں، جن کی زبان اور عقائد الگ الگ ہوں، کو تسلیم کرنا اور انہیں تحفظ فراہم کرنا اور ایک مکمل اور متحد بھارت کی تشکیل کے لیے یکجا کرنا ہی بھارت کے سیکولرزم کی روح ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزاد اور ہندو مسلم اتحاد

جہاں تک مولانا آزاد کی بات ہے، وہ تکثیری معاشرے اور ہندو مسلم اتحاد کے صرف حامی یا علمبردار ہی نہیں تھے بلکہ گاندھی کی طرح اس کے پیروکار بھی تھے۔ وہ دو قومی نظریے کے خلاف تھے اور وہ ملک کے تمام باشندوں کو ایک قوم مانتے تھے۔ ان کے نزدیک ''قوم اور ملت'' الگ الگ اصطلاحیں نہیں تھیں۔ وہ اس قانون ساز اسمبلی کے ارکان میں سے ایک تھے جس میں پنڈت جواہر لعل نہرو، ڈاکٹر امبیڈکر، ڈاکٹر راجندر پرشاد، گووند ولبھ پنت، سردار پٹیل، خان عبدالغفار خاں، گوپال سوامی آینگر، ٹی ٹی کرشنماچاری، الاّدی کرشنا سوامی ایر، ایچ این کنزرو، کے وی شاہ، مسانی، اچاریہ کرپلانی اور ڈاکٹر رادھا کرشنن جیسی عظیم شخصیتیں شامل تھیں۔ اسمبلی کا پہلا اجلاس ۹ر دسمبر ۱۹۴٦ء کو ہوا تھا، ۱۱ر دسمبر ۱۹۴٦ء کو

ڈاکٹر راجندر پرشاد اس کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ اسمبلی نے ایک تجویز منظور کی جسے Objectives Resolution (تجویز اغراض) کا نام دیا گیا۔ یہ وہ تجویز تھی جس میں Secularism کی بجائے Religious Neutrality یعنی مذہبی غیر جانبداری الفاظ کا استعمال کیا گیا تھا۔ یہی تجویز بھارت کے آئین کی تمہید کی بنیاد بنی۔ ہمیں مولانا کے رام گڑھ میں ۱۹۴۰ء میں منعقدہ کانگریس کے ۵۳ویں اجلاس میں کہے گئے یہ الفاظ بھی یاد ہیں:

''اگر فرشتے آسمان سے اتر کر قطب مینار سے یہ اعلان بھی کریں کہ ہندوستان کو سوراج (حکومت خود اختیاری) اس شرط کے ساتھ مل سکتا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے تو میں سوراج سے کنارہ کشی اختیار کرلوں گا، لیکن ہندو مسلم اتحاد کو قربان ہونے نہیں دوں گا کیونکہ اگر سوراج کے حصول میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ ہندوستان کا نقصان ہے، لیکن اگر ہندو مسلم اتحاد جاتا رہا تو اس سے انسانیت کو زک پہنچے گی۔''

اسی اجلاس میں انھوں نے یہ بھی کہا تھا:

''اگر ہم پوری دنیا کو بھی اپنا ملک تصور کرلیں اور اس تصور کو پوری پوری اہمیت دیں تو بھی میرے نزدیک ہندوستان کی مٹی کو ہی اولیت حاصل رہے گی اور اگر سب انسانوں کو بھائی بھائی کہنے کی بات آئے گی تو بھی میرے نزدیک ہندوستانیوں کی حیثیت سر بفلک ہوگی۔''

انھوں نے رام گڑھ میں متحد ہندوستان اور غیر منقسم قوم کی بات کرتے ہوئے اور مسلمانوں کی بڑی تعداد کا حوالہ دیتے ہوئے سوالیہ انداز میں یہ بھی کہا تھا کہ کیا انسانوں کے اتنے بڑے ہجوم (ہندوستانی مسلمان) کے دل میں ایسا خدشہ پیدا ہونے کی کوئی معقول وجہ ہوسکتی ہے کہ آزاد اور جمہوری ہندوستان میں وہ اپنے حقوق اور مفادات کی حفاظت نہ کرسکیں یا بالفاظ دیگر انھیں اس طرح کا تحفظ نہ فراہم کیا جائے۔

مولانا آزاد ایک انتہائی صاف گو انسان تھے۔ ان کا ظاہر اور باطن ایک تھا۔ انھیں پنڈت جواہر لعل نہرو نہایت عزیز تھے اور انھوں نے جواہر لعل نہرو کے خلوص، سیاسی بصیرت، دیانتداری اور راست بازی کی ہمیشہ تعریف کی، لیکن اگر انھیں نہرو کی کوئی بات پسند نہیں ہوتی تھی تو وہ اس کا اظہار بھی کھل کر کردیا کرتے تھے۔

مولانا آزاد کا یہ بھی کہنا تھا کہ مختلف ادوار میں مختلف مذاہب اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہندوستان میں آتے رہے اور بستے رہے اور یہاں تک کہ وہ شیر وشکر کی طرح ایک دوسرے سے مل گئے اور ہندوستان کی تعمیر وترقی میں برابر حصہ لیتے رہے۔ ہندوستان میں آکر بسنے والا آخری کارواں مسلمانوں کا تھا اور وہ بھی دیگر لوگوں کی طرح اس ملک کے ماحول میں اس طرح رچ بس گئے کہ ملک کی ہر چیز پر ہندوؤں اور مسلمانوں کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے اس اتحاد کو کوئی ختم کر ہی نہیں سکتا۔

آیئے ہم مولانا آزاد کے تقسیم کے فوراً بعد دہلی کی جامع مسجد کے منبر سے کیے گئے تاریخی خطاب کو یاد کریں:

''میرے عزیزو! آپ جانتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے، جو مجھے یہاں لے آئی ہے۔ میرے لیے شاہجہاں کی اس یادگار مسجد میں یہ اجتماع کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میں نے اس زمانہ میں جس پر لیل ونہار کی بہت سی گردشیں بیت چکی ہیں، تمھیں یہیں سے خطاب کیا تھا۔ جب تمہارے چہروں پر اضمحلال کی بجائے اطمینان تھا اور تمہارے دلوں میں شک کی بجائے اعتماد۔ آج تمہارے چہروں کا اضطراب اور دلوں کی ویرانی دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار پچھلے چند برسوں کی بھولی بسری کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔ تمھیں یاد ہے، میں نے تمھیں پکارا، تم نے میری زبان کاٹ لی، میں نے قلم اٹھایا اور تم نے میرے ہاتھ قلم کردیے۔ میں نے چلنا چاہا تم نے میرے پاؤں کاٹ دیے۔ میں نے کروٹ لینی چاہی تم نے میری کمر توڑ دی...میں نے تمھیں خطرے کی شاہراہ پر جھنجھوڑا، لیکن تم نے میری ایک نہ سنی...نتیجہ معلوم کہ آج ان ہی خطروں نے تمھیں گھیر لیا ہے...جن کا اندیشہ تمھیں صراط مستقیم سے دور لے گیا تھا۔ ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں بیتا، جب میں نے تم سے کہا تھا کہ دوقوموں کا نظریہ حیات معنوی کے لیے مرض الموت کا درجہ رکھتا ہے، اس کو چھوڑ دو۔ یہ ستون جن پر تم نے بھروسہ کیا ہے۔ نہایت تیزی سے ٹوٹ رہے ہیں، لیکن تم نے سنی ان سنی برابر کردی اور یہ نہ سوچا کہ وقت اور اس کی تیز رفتار تمہارے لیے اپنا ضابطہ تبدیل نہیں کرسکتے۔ وقت کی رفتار تھمی نہیں، تم دیکھ رہے ہو کہ جن سہاروں پر تمھیں بھروسہ تھا وہ تمھیں لاوارث سمجھ کر تقدیر کے حوالے کرگئے...

انگریز کی بساط تمہاری خواہش کے برخلاف الٹ دی گئی اور رہنمائی کے وہ بت جو تم نے وضع کیے تھے وہ بھی ڈھا دیے گئے...میں تمہارے

زخموں کو کریدنا نہیں چاہتا اور تمہارے اضطراب میں مزید اضافہ میری خواہش نہیں، لیکن اگر کچھ دور ماضی کی طرف پلٹ جاؤ تو تمہارے لیے بہت سی گرہیں کھل سکتی ہیں۔ ایک وقت تھا میں نے ہندوستان کی آزادی کے حصول کا احساس دلاتے ہوئے تمہیں پکارا تھا اور کہا تھا:

''جو ہونے والا ہے اس کو کوئی قوم اپنی نحوست سے روک نہیں سکتی۔'' ہندوستان کی تقدیر میں انقلاب لکھا جا چکا ہے اور اس کی غلامانہ زنجیریں بیسویں صدی کی ہوائے حریت سے کٹ کر گرنے والی ہیں۔ اگر تم نے وقت کے پہلو بہ پہلو قدم اٹھانے سے پہلوتہی کی اور تعطل کی موجودہ زندگی کو اپنا شعار بنائے رکھا تو مستقبل کا مؤرخ لکھے گا کہ تمہارے گروہ نے جو سات کروڑ انسانوں کا ایک غول تھا، ملک کی آزادی کے بارے میں وہ رویہ اختیار کیا جو ''صفحۂ'' ہستی سے مٹ جانے والی قوموں کا شیوہ ہوا کرتا ہے۔ آج ہندوستان کا جھنڈا اپنے پورے شکوہ سے لہرا رہا ہے...

یہ ٹھیک ہے کہ وقت نے تمہاری خواہشوں کے مطابق انگڑائی نہیں لی، بلکہ اس نے ایک قوم کے پیدائشی حق کے احترام میں کروٹ بدلی اور یہی وہ انقلاب ہے جس کی ایک کروٹ نے تمہیں بہت حد تک خوفزدہ کر دیا ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ تم سے کوئی اچھی شئے چھن گئی ہے اور اس کی جگہ بری شئے آ گئی ہے۔ ہاں تمہاری بے قراری اسی لیے ہے کہ تم نے اپنے تئیں اچھی شے کے لیے تیار نہیں کیا تھا اور بری شے کو ملجا و ماویٰ سمجھ رکھا تھا۔ میری مراد غیر ملکی غلامی سے ہے۔ جس کے ہاتھوں تم نے مدتوں حاکمانہ طمع کا کھلونا بن کر زندگی بسر کی ہے۔ ایک دن تھا جب ہماری قوم کے قدم کسی جنگ کے آغاز کی طرف تھے اور آج تم اس جنگ کے انجام سے مضطرب ہو۔ آخر تمہاری اس عجلت پر کیا کہوں کہ ادھر سفر کی جستجو ختم نہیں ہوئی اور ادھر گمراہی کا خطرہ بھی پیش آ گیا...

میرے بھائی! میں نے ہمیشہ سیاست کو ذاتیات سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے، میں نے اس پر خار وادی میں قدم نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے میری بہت سی باتیں کنایوں کا پہلو لیے ہوتی ہیں، لیکن مجھے آج جو کہنا ہے اسے بے روک ہو کر کہنا چاہتا ہوں، متحد ہندوستان کا بٹوارہ بنیادی طور پر غلط تھا۔ مذہبی اختلاف کو جس ڈھب سے ہوا دی گئی اور اس کا لازمی نتیجہ یہی آثار و مظاہر تھے جو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور بدقسمتی سے بعض مقامات میں آج بھی دیکھ رہے ہیں... یہ فرار کی زندگی جو تم نے ہجرت کے مقدس نام پر اختیار کی ہے اس پر غور کرو اپنے دلوں کو مضبوط بناؤ اور اپنے دماغوں کو سوچنے کی عادت ڈالو اور پھر دیکھو تمہارے یہ فیصلے کتنے عاجلانہ ہیں۔ آخر کہاں جا رہے ہو اور کیوں جا رہے ہو؟''

سر سید احمد خاں اور ہندو مسلم اتحاد

''جس طرح ہندوؤں کی شریف قومیں اس ملک میں آئیں اسی طرح ہم بھی اس ملک میں آئے۔ ہندو اپنا ملک بھول گئے، اپنے دیس سے پردیس ہونے کا زمانہ ان کو یاد نہیں رہا اور ہندوستان ہی کو انہوں نے اپنا وطن سمجھا اور یہ جانا کہ ہمالیہ اور بندھیاچل کے درمیان ہمارا وطن ہے، ہم کو بھی اپنا ملک چھوڑے سیکڑوں برس ہو گئے، نہ وہاں کی آب و ہوا ہم کو یاد ہے نہ اس ملک کی فضا کی خوبصورتی، نہ وہاں کے پھلوں کی تر و تازگی اور نہ میووں کی لذت اور نہ اپنے مقدس ریتیلے اور کنکریلے ملک کی برکت، ہم نے بھی ہندوستان کو اپنا سمجھا اور اپنے سے پیش قوموں کی طرح ہم بھی اس ملک میں رہ پڑے۔ پس اب ہندوستان ہی کی ہوا سے ہم دونوں جیتے ہیں۔ مقدس گنگا جمنا کا پانی ہم دونوں ہی پیتے ہیں، ہندوستان ہی کی زمین کی پیداوار ہم دونوں کھاتے ہیں۔ مرنے جینے میں دونوں کا ساتھ ہے، ہندوستان میں رہتے ہوئے دونوں کا خون بدل گیا، دونوں کی رنگتیں ایک سی ہو گئیں۔ دونوں کی صورتیں بدل کر ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئیں۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی سیکڑوں رسمیں اختیار کر لیں۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی سیکڑوں عادتیں لے لیں۔ یہاں تک کہ ہم دونوں آپس میں ملے کہ ہم دونوں نے مل کر ایک نئی زبان اردو پیدا کر لی جو نہ ہماری زبان تھی نہ ان کی۔ پس اگر ہم اس حصہ سے جو ہم دونوں میں خدا کا حصہ ہے، قطع نظر کر دیں تو درحقیقت ہندوستان میں ہم دونوں باعتبار اہل باطن ہونے کے ایک قوم ہیں اور ہم دونوں کے اتفاق اور باہمی ہمدردی اور آپس کی محبت سے ملک کی اور ہم دونوں کی ترقی و بہبودگی ممکن ہے اور آپس کے نفاق، ضد، عداوت اور ایک دوسرے کی بدخواہی سے ہم دونوں برباد ہونے والے ہیں۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس نکتے کو نہیں سمجھتے اور آپس میں ان

دونوں قوموں (فرقوں) میں تفرقہ ڈالنے کی سوچ پیدا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس مضرت اور نقصان میں وہ خود بھی شامل ہیں اور آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں۔

اے میرے دوستو!

''میں نے بارہا کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ ہندوستان ایک دلہن کی مانند ہے جس کی خوبصورت اور رسیلی دو آنکھیں ہندو و مسلمان ہیں۔ اگر وہ دونوں آپس میں نفاق رکھیں گے تو ہماری دلہن بھینگی ہو جاوے گی اور اگر ایک دوسرے کو برباد کر دیں گے تو وہ یک چشم ہو جاوے گی۔ پس اے ہندوستان کے رہنے والے ہندوؤ اور مسلمانو! اب تم کو اختیار ہے کہ چاہے اس دلہن کو بھینگا بناؤ چاہے کانا۔'' (۱۸۸۳ء، پٹنہ)

مگر افسوس! کہ بیسویں صدی کے مختلف ادوار میں رونما ہونے والے حالات و واقعات نے اس دلہن کی بینائی کو درست کرنے کی تو بات ہی کیا اس کا سہاگ بھی چھین لیا۔ یہ حالات کے ہاتھوں ستی ہو گئی اور دو ٹکڑوں میں بٹ گئی یعنی ملک تقسیم ہو گیا اور ایسی تقسیم جسے ہمارے سیاسی تجزیہ کاروں نے ہندوستان کا جغرافیائی قتل کہا ہے۔

مولانا آزاد اور سرسید احمد خاں کے یہ اقوال اتنے جامع اور ہمہ گیر ہیں کہ اگر انھیں اقوال قاموسی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ان میں ایک ایسا پیغام یعنی ہندو مسلم اتحاد کا پیغام پنہاں ہے جس کی معنویت صدیوں تک باقی رہے گی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کبھی ختم نہ ہوگی تو یہ بات بھی غلط نہ ہوگی۔ اس سے اس قول کی صداقت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ کبھی کبھی مختصر عبارت بھی اتنی جامع اور پیغام رساں ہوتی ہے کہ اس کے آگے بڑے بڑے فرہنگ اور قاموس میں درج تفاصیل بھی ہیچ نظر آتی ہیں۔

ویسے بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اتحاد میں طاقت ہے اور یہ زندگی کا ایک ایسا اہم اصول ہے جس کی وضاحت اگر ہندو مسلم اتحاد جیسے مسئلے کی مثال دے کر کی جائے تو اس کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ اگر ہم آپس میں اتفاق اور میل جول نہیں رکھیں گے تو ہم تنکوں کی طرح بکھر جائیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد سے مراد صرف ہندو مسلم اتحاد ہی نہیں بلکہ یہ ان تمام لوگوں کے مابین اتحاد اور میل جول کی جانب اشارہ ہے جو اس ملک کو اپنا وطن سمجھتے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب کے پیرو ہوں۔ علاوہ ازیں انسانی حقوق کے حوالے سے بھی یہ بات بغیر کسی لاگ لپیٹ کے کہی جا سکتی ہے کہ کسی ملک کے مہذب ہونے کے دعوے کی صداقت اس بات پر منحصر ہے کہ وہ اپنی اقلیتوں کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرتا ہے۔ ہماری گنگا جمنی تہذیب سنگ بلوغ کو پہنچنے کے بعد 'دور مابعد' میں داخل ہو چکی ہے، لیکن کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے 'ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں'۔ رہی بات ہندو مسلم اتحاد کی تو اس کی اس وقت بھی ضرورت تھی جب گاندھی جی، مولانا آزاد اور سرسید حیات تھے اور اس کی آج بھی اتنی ہی ضرورت ہے اور ہمیشہ رہے گی چونکہ اس کے بغیر سیکولر و جمہوری ہندوستان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی ایک اور ایک مل کر گیارہ ہوتے ہیں اور ہندوستان کے آئین کی تمہید میں شامل لفظ 'ہم' کو 'میں اور تم'، 'میں' یا 'ہم اور تم' میں تب تک نہیں بانٹا جا سکتا یعنی ان الفاظ کو تب تک نہیں بدلا جا سکتا جب تک موجودہ آئین نافذ العمل ہے۔

مختصراً اس قول سے اتفاق کرتے ہوئے کہ ہندو مسلم اتحاد نہ تو کوئی فرسودہ کہاوت ہے اور نہ کوئی سیاسی مقولہ، استعارہ یا مفروضہ بلا مبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا رہے گا کہ ہندو مسلم اتحاد ایک حقیقی تصور ہے جو نہ صرف مہاتما گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد اور سرسید احمد خاں کو آخری دم تک عزیز رہا بلکہ ہر اس ہندوستانی کو عزیز ترین ہے اور ہونا چاہیے جسے ہندوستان اور ہندوستان کے لوگوں سے محبت ہے۔ یہاں اس بات کو بھی دہرانا بے محل نہ ہوگا کہ ہندو مسلم اتحاد کی آج کے تکثیری معاشرے میں بھی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی کہ متذکرہ بالا شخصیات کے دور میں تھی یعنی گزشتہ صدی میں۔

○○

توجہ طلب

- قلمکار حضرات اپنی تخلیقات کے ساتھ اپنا پاس بک میں درج نام انگریزی میں اسپیلنگ کے ساتھ ضرور لکھیں۔ اپنا مکمل پتا، پن کوڈ اور رابطے کے لیے فون نمبر بھی ضرور درج کریں۔
- قلمکاروں سے ایک گزارش اور ہے کہ بذریعہ ای۔میل اپنی تخلیقات بھیجنے سے قبل اپنی تخلیقات کو ایک بار ضرور پڑھ لیں تاکہ اس میں پروف کی غلطیاں کم سے کم رہیں۔ ـــــادارہ